سورۃ البلد

ایاتھا ۲۰ ۔ ۹۰ سورۃ البلد مکیۃ ۳۵ ۔ رکوعھا ۱

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس کی بیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی''۔

یہ جائز ہے کہ لَاۤ زائدہ ہو جس طرح لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ﴿۱﴾ (القیامۃ) میں روز قیامت کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ اخفش کا قول ہے یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں، کیونکہ ارشاد فرمایا ہے: بِهٰذَا الۡبَلَدِ جبکہ پہلے شہر کی قسم اٹھائی وھذا البلد الامین یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس کی قسم کا انکار کرے جب کہ اس کی قسم اٹھائی ہو۔ شاعر نے کہا:

تَذَکَّرْتُ لیلی فاعترتنی صبابۃ وکاد صمیم القلبِ لا یَتَقَطَّعُ

میں نے لیلیٰ کو یاد کیا تو مجھے عشق نے آلیا قریب تھا کہ صمیم قلب ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

شعر میں حرف لاصلہ (زائد) ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ (الاعراف:12) کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس پر دلیل سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ (ص:75)

حضرت حسن بصری، اعمش اور ابن کثیر نے لا قسم پڑھا ہے لام کے بعد الف ذکر نہیں کیا گویا لا قسم میں لام کے بعد الف اقسم کا ہے اخفش نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ الا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قسم کی نفی نہیں بلکہ یہ تو عربوں کے قول کے مطابق ہے: لا واللہ لا فعلت کذا، لا واللہ ما کان کذا، لا واللہ لا فعلن کذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح نفی ہے معنی یہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکل جائیں گے تو میں اس شہر کی قسم نہیں اٹھاؤں گا؛ یہ مکی نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت نقل کی ہے کہا: لَاۤ ان پر رد کرنے کے لیے ہے؛ یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اس نے کہا: جس نے یہ کہا ہے کہ یہ رد ہے تو وہ ایسا قول ہے جس کا رد نہیں کیونکہ اس کے ساتھ معنی صحیح ہوتا ہے اور لفظ و مراد دونوں متمکن ہیں یہ اس آدمی کا رد ہے جو موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے پھر قسم کا آغاز کیا (1)۔

قشیری نے کہا: یہ اس چیز کا رد ہے کہ اس سورت میں مذکور انسان جو دنیا سے دھوکہ میں مبتلا ہے اس کا رو ہے، یعنی معاملہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1921

اس طرح نہیں جس طرح وہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا پھر قسم کا آغاز ہوگا۔ البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے یعنی میں اس بلد حرام کی قسم اٹھاتا ہوں جس میں آپ موجود ہیں کیونکہ تجھے عزتوں سے نوازنا میرے ذمہ کرم پر ہے اور اس سے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ واسطی نے کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس شہر کی قسم اٹھاتے ہیں جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ٹھہر کر شرف بخشا اور وصال کے بعد برکت عطا کر کے شرف بخشا اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ

''دراں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں''۔

یعنی مستقبل میں، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (الزمر) کلام عرب میں اس کی مثالیں عام ہیں۔ جس سے تو عزت اور عطیہ کا وعدہ کرتا ہے اسے تو کہتا ہے: أنت مکرم مجلو اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی یہ عام ہے کیونکہ اس کے نزدیک آنے والے احوال موجودہ احوال کی طرح ہیں تیرے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ یہ استقبال کے لیے ہے اور حال کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرنا محال ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ منصور نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: وَ اَنْتَ حِلٌّۢ یعنی تو نے اس میں جو کیا ہے وہ آپ کے لیے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کہا: جس روز آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں قتل کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہاں کسی کو قتل کرے۔

سدی نے کہا: معنی ہے جو آدمی آپ سے قتال کرے اسے قتل کرنا آپ کے لیے حلال ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ دن کی کچھ گھڑیوں میں آپ کے لیے قتال کو حلال کیا گیا پھر تا قیامت اسے حرام کر دیا گیا۔ وہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنّ الله حَرَّمَ مَكَّةَ يومَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ والأرضَ فهي حَرَامٌ إلى أن تقومَ الساعةُ فلم تَحِلَّ لأحدٍ قبلي ولا تَحِلُّ لأحدٍ من بعدي ولم تَحِلَّ لي إلّا ساعةً من نهارٍ۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مکہ مکرمہ کو حرمت والا بنایا یہ حرام ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت برپا ہوگی مجھ سے قبل یہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوا میرے بعد یہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا اور میرے لیے یہ دن کی کچھ ساعتوں میں حلال کیا گیا۔

سورۃ المائدہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی حلال نہ تھا یعنی کسی سے تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مقیم ہیں اور وہ آپ کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا آپ اس

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 2353

میں احسان کرنے والے ہیں میں تجھ سے اس میں راضی ہوں۔ اہل لغت نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ کہا جاتا ہے: رجلٌ حِلٌّ، حَلَالٌ و مُحِلٌّ، رجل حَرَام و حِرم۔ قتادہ نے کہا: آپ یہاں حلال کام کرنے والے ہیں آپ گناہگار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثنا ہے یعنی آپ اس شہر میں ایسی چیز کا ارتکاب کرنے والے نہیں جس کا ارتکاب آپ کے لیے حرام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیت کا حق پہنچانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کی طرح نہیں جو اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یعنی میں اس معظم گھر کی قسم اٹھاتا ہوں جس کی حرمت کو آپ پہچانتے ہیں آپ اس میں مقیم ہیں، اس کی تعظیم بجالانے والے ہیں، جو چیز آپ پر حرام ہے اس کا ارتکاب کرنے والے نہیں۔ شرحبیل بن سعد نے کہا: آپ اس شہر میں حلال ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ کو حرام سمجھتے ہیں کہ یہاں کسی شکار کو قتل کریں یا کسی درخت کو کاٹیں اس کے باوجود تیرے یہاں سے نکالنے اور آپ کے قتل کے درپے ہونے کو حلال جانتے ہیں۔

وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ۝۳

''اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی''۔

مجاہد، قتادہ، ضحاک، حسن بصری اور ابو صالح نے کہا: وَ وَالِدٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وَّ مَا وَلَدَ سے مراد جوان کی اولاد ہوئی۔ ان کی قسم اٹھائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں سے سب سے عجیب ہے کیونکہ اس انسان میں بولنے، بیان کرنے اور تدبیر کی صلاحیت موجود ہے۔ ان میں انبیاء اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی صالح اولاد کی قسم ہے گویا غیر صالح لوگ چوپائے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مَا وَلَدَ سے مراد آپ کی ذریت ہے؛ یہ ابو عمران جولانی کا قول ہے۔ پھر یہ احتمال ہے کہ تمام اولاد مراد ہے یا اولاد میں سے مسلمان مراد ہیں۔ فراء نے کہا: مَا لوگوں کے لیے بھی درست ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا طَابَ لَكُمْ (النساء: 3) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤى ۝ (اللیل) وہی مذکر و مونث کا خالق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما مابعد سے مل کر مصدر کے حکم میں ہے مراد والد اور اس کی ولادت کی قسم، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝ (الشمس)

عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: وَالِدٍ سے مراد جس کی اولاد ہو اور مَا وَلَدَ سے مراد بانجھ ہے جس کی اولاد نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس صورت میں ما نافیہ ہے۔ یہ بعید ہے اسم موصول کو مضمر ماننے کے بغیر یہ صحیح نہیں تقدیر کلام یہ بنتی ہے ووالد والذی ما ولد یہ بصریوں کے نزدیک جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر والد اور مولود کو عام ہے؛ یہ عطیہ عوفی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ مسلک ہے۔ ماوردی نے کہا(1): یہ احتمال موجود ہے کہ وَلَدَ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو اور مَا وَلَدَ سے مراد آپ کی امت ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے: إنما أنا لكم بمنزلة الوالد أعلمكم میری تمہارے لیے حیثیت والد

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 275

کی سی ہے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ پہلے آپ کے شہر کی قسم اٹھائی پھر آپ کی اور آپ کی امت کی قسم اٹھائی مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت میں مبالغہ کا اظہار ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝

”بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لیے) پیدا کیا“۔

یہاں پر قسم ختم ہو گئی تھی یہ آیت جواب قسم ہے! اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ اپنی مخلوقات کی تعظیم کے لیے جس کی چاہے قسم اٹھائے جس طرح پہلے گزر چکا ہے یہاں انسان سے مراد ابن آدم ہے کَبَد کا معنی شدت اور تھکاوٹ ہے یہ مُكَابَدَةُ الدُّنْيَا سے مشتق ہے کَبَد کا اصل معنی شدت ہے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: تکبد اللبن دودھ گاڑھا ہو گیا، سخت ہو گیا؛ اسی سے کبد (جگر) ہے کیونکہ یہ بھی خون ہوتا ہے جو گاڑھا اور سخت ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: کابدت ھذا الأمر میں نے اس امر کی سختی کو برداشت کیا؛ لبید نے کہا:

یا عینُ ھَلَّا بکیتِ أربدَ إذ قُمْنا وقام الخصومُ فی کَبَدِ

اے آنکھ! تو اربد کے مقام پر کیوں نہ روئی جب ہم اور جھگڑا کرنے والے مشقت میں کھڑے ہوئے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری نے کہا: فِي كَبَدٍ کا معنی ہے سختی اور تھکاوٹ میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: شدت میں، یعنی حمل، ولادت، دودھ پلانا، دانتوں کا نکلنا وغیرہ۔ عکرمہ نے آپ سے ہی یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں سیدھا ہوتا ہے۔ کَبَد کا معنی استواء اور استقامت ہے۔ یہ خلقت میں انسان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں کسی جاندار کو پیدا نہیں کیا مگر وہ اپنے منہ کے بل اوندھا ہوتا ہے صرف انسان کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ وہ سیدھا ہوتا ہے؛ یہ مجاہد، نخعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: ماں کے پیٹ میں اس کا سر سیدھا کھڑا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اسے باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے تو اس کے سر کو اس کی ماں کی ٹانگوں کی طرف کر دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دنیا اور آخرت کے مصائب اور تکالیف برداشت کرتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ خوشحالی کے دور میں شکر کو کام میں لاتا ہے اور تنگدستی کے دور میں صبر کو کام میں لاتا ہے کیونکہ وہ ان دونوں سے خالی نہیں ہوتا؛ اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ یمان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اتنی مشقت برداشت کرتی ہو جیسی مشقت انسان برداشت کرتا ہے جب کہ یہ مخلوقات میں سے کمزور ترین ہے (1)۔ ہمارے علماء کہتے ہیں: سب سے پہلے جس مشقت کو وہ برداشت کرتا ہے وہ اس کی ناف کا کٹنا ہے پھر گہوارہ میں ڈالنے کے لیے اس پر جو کپڑے لپیٹ دیئے جاتے ہیں وہ تنگی اور تھکاوٹ کو برداشت کرتا ہے وہ دودھ پینے کی مشقت کو برداشت کرتا ہے اگر یہ چیز اسے نہ ملے تو فوت ہو جائے پھر دانتوں کے اگنے اور زبان کو حرکت دینے کی تکلیف برداشت کرتا ہے پھر وہ دودھ چھڑانے کی تکلیف کا سامنا کرتا ہے جو اس کے لیے طمانچے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے پھر وہ ختنہ کرانے دردوں اور غموں کا سامنا کرتا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 488

ہے پھر وہ معلم اور اس کی سختی، مودب اور اس کے رویہ اور استاد اور اس کی ہیبت کا سامنا کرتا ہے پھر وہ شادی کی مصروفیت اور اس میں جلدی کا سامنا کرتا ہے پھر وہ اولاد، خادموں اور لشکروں کے معاملات میں جا پڑتا ہے پھر وہ گھروں اور محلات کے بنانے میں لگ جاتا ہے پھر بڑھاپے، گھٹنوں اور قوموں کے ضعف کا سامنا کرتا ہے ایسے ایسے مصائب دیکھتا ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور ایسے دکھ دیکھتا ہے جن کا عرصہ بڑا طویل ہوتا ہے جیسے سر درد، داڑھوں کا درد، آشوب چشم، قرض کا غم، دانت اور کان کا درد، اسی طرح وہ مال اور نفس میں امتحانات کا سامنا کرتا ہے جس طرح مار پیٹ اور قید۔ کوئی دن اس پر نہیں گزرتا مگر وہ اس میں شدت کو برداشت کرتا ہے پھر اس کے بعد موت کا مرحلہ ہوتا ہے، پھر فرشتہ کے سوالات ہوتے ہیں، قبر کا دیکھنا اور اس کی تاریکی، دوبارہ اٹھانا اور اللہ تعالیٰ پر پیشی، یہاں تک وہ قرار پذیر ہو جاتا ہے یا تو یہ جنت میں جا کر ٹھہرتا ہے یا دوزخ میں ٹھکانہ بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ اگر یہ انسان کے بس میں ہوتا تو وہ ان مصائب کو کبھی برداشت نہ کرتا۔ یہ سب چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کا کوئی خالق ہے اس نے ان احوال کا اس پر فیصلہ کیا ہے پس انسان کو چاہیے کہ اس ذات کے حکم کی پیروی کرے۔

ابن زید نے کہا: یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں فِیْ كَبَدٍ سے مراد آسمان کا درمیان ہے (1)۔ کلبی نے کہا: یہ حکم بنی جمح کے بارے میں نازل ہوا جسے ابوالاشدین کہتے ہیں، وہ عکاظی چمڑا لیتا اسے اپنے قدموں کے نیچے بچھاتا وہ کہتا: جس نے مجھے اس سے گرا دیا اس کے لیے یہ انعام ہے۔ اس چمڑے کو دس آدمی کھینچتے یہاں تک کہ وہ چمڑا پھٹ جاتا اور اس کے قدم اپنی جگہ سے نہ ہلتے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں سے تھا اس کے بارے میں یہ نازل ہوا: اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یعنی وہ اپنی قوت کی بنا پر یہ گمان کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: فِیْ كَبَدٍ کا معنی ہے قوی، وہ قریش میں سب سے طاقتور اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ رکانہ بن ہاشم بن مطلب اسی طرح تھا وہ طاقت اور قوت میں مثال تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: فِیْ كَبَدٍ کا معنی ہے وہ دل کا جری اور سخت ہے جب کہ اس کی خلقت کمزور اور مادہ حقیر ہے۔ ابن عطا نے کہا: وہ ظلمت و جہالت میں ہے۔ ترمذی نے کہا: جو بامقصد کام ہیں ان کو ضائع کرنے والا ہے اور جو بے مقصد امور ہیں ان میں مصروف رہنے والا ہے۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۝

”کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا، کہتا ہے: میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک کان اور دو ہونٹ“۔

کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سزا نہیں دے گا وہ کہتا ہے: میں نے کثیر مال خرچ کر دیا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے سب اعمال کو جانتا ہے وہ اس بات میں جھوٹا ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے مال خرچ کیا

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 276

ہے جب کہ اس نے مال خرچ نہیں کیا ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے کو کھڑا کیا جائے گا اسے کہا جائے گا: میں نے تجھے جو رزق دیا تھا اس کا تو نے کیا کیا۔ وہ کہے گا: میں نے اس کو خرچ کیا اور اس کی زکوۃ ادا کی۔ اسے کہا جائے گا: گویا تو نے یہ کیا تا کہ کہا جائے کہ وہ بڑا سخی ہے تو وہ تو کہا جا چکا۔ پھر اسے آگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا جائے گا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو الاشدین کہا کرتا تھا: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں بہت زیادہ مال خرچ کیا ہے جب کہ وہ جھوٹا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ حارث بن عامر بن نوفل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے گناہ کیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی طلب کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ اس نے کہا: میں جب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا ہوں میرا مال تو کفارات اور نقصانات میں خرچ ہو گیا ہے۔ اس کا یہ قول اس چیز کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس نے جو مال خرچ کیا تھا وہ اس کو کثیر جانتا تھا تو یہ اس کی جانب سے سرکشی ہوگی یا بطور افسوس کیا ہو تو اس کی جانب سے شرمندگی ہوگی۔

ابو جعفر نے لُبَّدا پڑھا ہے کیونکہ یہ لابد کی جمع ہے جس طرح راکع کی جمع رُکَّع، ساجد کی جمع سجَّد اور شاھد کی جمع شُھَّد آتی ہے۔ مجاہد اور حمید نے باء کو مضموم اور لام کو بغیر شد کے پڑھا ہے۔ اس وقت یہ لبود کی جمع ہوگی۔ باقی قراء نے لام کے ضمہ اور اس کے کسرہ اور باء کو فتحہ غیر مشدد پڑھا ہے اس وقت یہ لُبدۃ ور لبدۃ کی جمع ہوگی اس سے مراد وہ چیز ہے جو تہہ در تہہ ہے مراد کثرت کا اظہار ہے۔ سورۃ الجن میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ دونوں جگہ اَیَحْسُبُ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی یہ بنتا ہے وہ کہتا ہے میں نے بہت زیادہ مال خرچ کیا ہے جو اس کے متعلق میرا محاسبہ کرے گا مجھے چھوڑ دو کہ میں بھی اس کا محاسبہ کروں کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے محاسبہ پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر نعمتوں کو شمار کیا۔

کیا ہم نے اس کے لیے آنکھیں نہیں بنائیں جن کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، زبان نہیں بنائی جس کے ساتھ وہ بولتا ہے، ہونٹ نہیں بنائے جن کے ساتھ وہ دانتوں کو چھپاتا ہے اس کا معنی یہ ہے ہم نے یہ کہا اور ہم اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ ہم اسے دوبارہ اٹھائیں اور اس نے جو عمل کیا ہم اس کو شمار کریں۔ ابو حازم نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے انسان! اگر زبان ان معاملات میں تجھ سے نزاع کرے جو میں نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو میں نے تیری دو طبق (دو ہونٹ) سے مدد کی ہے ان کو بند کر دے، اگر تیری آنکھ تجھ سے ایسے امور میں جھگڑا کرے جو میں نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو میں نے تیری دو طبق (یعنی دو چھپر وہ) سے تیری مدد کی ہے ان کو بند کر لے، اگر تیری شرمگاہ تیرے ساتھ ان معاملات میں جھگڑا کرے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو اس کے خلاف میں نے دو طبق سے تیری مدد کی ہے تو انہیں بند کر دے'' (2)۔ الشفۃ اصل میں شفھۃ تھا اس سے ہاء کو حذف کر دیا گیا اس کی تصغیر شفیھۃ آتی ہے اس کی جمع شفاہ ہے یہ جملہ

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 8277
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 489

بولا جاتا ہے: شفھات، شفوات، ھاء زیادہ موزوں ہے اور واؤ عام ہے جس طرح سنوات میں واؤ عام آتی ہے۔ ازہری نے کہا: وصل کی صورت میں ھذہ شفۃ کہتے ہیں اور شفہ بھی کہتے ہیں یعنی یہ لفظ تاء اور ھاء دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں تجھے متوجہ کرتی ہیں کہ تو ان کا شکر بجالائے۔

وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩

''اور ہم نے دکھا دیں اسے دونوں نمایاں راہیں''۔

النَّجْدَيْنِ سے مراد دو راستے ہیں بھلائی اور برائی کا راستہ یعنی ہم نے ان دونوں کو اس کے لیے بیان کر دیا ہے جو ہم نے اس کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ نجد اس راستہ کو کہتے ہیں جو بلندی کی طرف جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے: یأیھا الناس ھما النجدان، نجدُ الخیرِ و نجدُ الشرِّ فلم نجعل نجدَ الشرِّ أحبَّ إلیك من نجدِ الخیر (1)۔ اے لوگو! وہ دونوں راستے ہیں بھلائی کا راستہ اور برائی کا راستہ ہم نے شر کے راستہ کو خیر کے راستہ سے تیرے لیے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔ عکرمہ سے یہ مروی ہے: نجدان سے مراد دو پستان ہیں؛ یہ سعید بن مسیب اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ دونوں بچے کی زندگی اور رزق کے لیے دو راستوں کی طرح ہیں۔ نجد کا معنی بلندی ہے اس کی جمع نجود آتی ہے اس وجہ سے نجد کے علاقہ کو نجد کہتے ہیں کیونکہ وہ تہامہ کے زیریں ہونے کی بنسبت بلند ہے۔ پس نجدان دو بلند راستے ہیں۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪

''پھر وہ داخل نہیں ہوا عمل خیر کی (دشوار) گھاٹی میں''۔

وہ مال جس کے بارے میں وہ گمان رکھتا ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں خرچ کیا ہے اس نے وہ مال اقتحام عقبہ میں کیوں خرچ نہ کیا کہ وہ امن پاتا۔ اقتحام کا معنی اپنے کو بغیر سوچے سمجھے کسی چیز میں پھینک دینا اس سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قحم فی الأمر قحوما یعنی اس نے بغیر سوچے سمجھے اپنے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ قَحَمَ الفرسُ فارسہ تَقْحِیمًا علی وجھہ۔ یعنی گھوڑے نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ تقحیم النفس فی الشئ کا معنی ہے اس کا بغیر سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں داخل کرنا۔ القحمۃ سے مراد ہلاکت اور سخت سال ہے۔ أصابت الأعراب القحمۃ۔ جب انہیں قحط نے آ لیا تو وہ اس میں داخل ہو گئے۔ قحم سے مراد مشکل راستہ ہے۔ فراء اور زجاج نے کہا: ایک دفعہ حرف لا داخل کیا گیا ہے جب کہ عرب ایسے موقع پر کم ہی لا اکیلا داخل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ دوسری کلام میں اس کا اعادہ کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ⑳ (القیامہ) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ⑫ (البقرہ) نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہاں اسے مفرد ذکر کیا ہے کیونکہ کلام کا آخر اس کے معنی پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 418

دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا تکریر کے قائم مقام ہو گویا یوں فرمایا: فلا اقتحم العقبة ولا آمن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دعا کے قائم مقام ہے جس طرح کسی کا قول ہے: لَا نَجَا وَلَا سَلِمَ۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ شئی جس کے بارے میں فرمایا وَمَاۤ اَدْرٰىكَ (القدر: 2) اس کے بارے میں آپ کو آگاہ کر دیا اور ہر وہ شے جس کے بارے میں فرمایا: وَمَا يُدْرِيْكَ (الاحزاب: 63) اس کے بارے میں آپ کو خبر نہ دی۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۝ کا معنی ہے وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوا۔

جس طرح زہیر کا قول ہے:

فلاھُوَ أبداھا ولم يَتَقَدَّمِ یہ فلم يبدھا ولم يتقدم کے معنی میں ہے۔ مبرد اور ابوعلی نے اسی طرح کہا: لا، لم کے معنی میں ہے۔ امام بخاری نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: فلم يقتحم العقبة في الدنيا یعنی دنیا میں وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوا تو اسے تکرار کی ضرورت نہیں۔ ہر عقبہ اور اس پر سوار ہونے کی وضاحت کی اور فرمایا: غلام کو آزاد کرنا اور یہ کرنا اور یہ کرنا۔ اور مالی عبادتوں کی وضاحت کی۔ ابن زید اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا: کلام کا معنی وہ استفہام ہے جو انکار کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أفلا اقتحم العقبة أو هلا اقتحم العقبة اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس نے غلام آزاد کرنے میں بھوکوں کو کھانا کھلانے میں اپنا مال کیوں خرچ نہ کیا تا کہ اس کے ذریعے عقبہ سے گزر جاتا تو یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں مال خرچ کرنے سے بہتر ہوتی۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اقتحام عقبہ یہاں ضرب المثل ہے معنی یہ ہوگا کیا اس نے بڑے بڑے امور کو برداشت کیا ہے جو اس نے اپنے رب کی اطاعت میں مال خرچ کرنے کی صورت میں تھے اور اس پر ایمان لانے کی صورت میں تھے۔ یہ تعبیر اس آدمی کے قول کے مناسب ہوگی جو فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۝ کو دعا پر محمول کرتا ہے یعنی جس نے اپنا مال اس صورت میں خرچ نہ کیا اس نے نہ نجات پائی اور نہ ہی وہ سلامت رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بڑے گناہوں، ان کے بوجھ اور شدت کو عقبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جب وہ غلام آزاد کرے اور اچھے عمل کرے تو اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو عقبہ میں داخل ہو۔ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو اسے نقصان پہنچاتے ہیں، اسے اذیت دیتے ہیں اور مشقت میں ڈالتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ عقبہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ ابو رجاء سے مروی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عقبہ اس پر سات ہزار سال تک انسان چڑھتا رہے گا اور اس سے اترنے میں بھی اسے سات ہزار سال لگیں گے۔ حضرت حسن اور قتادہ نے کہا: یہ آگ میں سخت مشکل راستہ ہے جو پل سے پہلے ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ مجاہد، ضحاک اور کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ پل ہے جو جہنم پر ڈالا گیا ہے جو تلوار سے تیز ہے اس کی مسافت تین ہزار سال ہے اس میں نرم جگہ، بلند اور پست جگہیں ہیں۔ مومن پر یہ اتنے وقت کے لیے ہے جتنا عصر سے عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن اتنے وقت کے لیے اس میں داخل ہوگا جتنا وقت فرض نماز کا ہوتا ہے۔

حضرت ابو درداء سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہمارے سامنے عقبہ ہے اس میں سے سب سے نجات پانے والا ہوگا وہ جس کا سامان سب سے کم ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم بذات خود عقبہ ہے۔ ابو رجاء نے حضرت حسن بصری سے روایت

نقل کی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس مسلمان نے کسی غلام کو آزاد کیا تو یہ جہنم سے آزادی کا فدیہ بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے ایک غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو آزادی دے دے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من أعتق رقبةً أعتق الله بكلِّ عضوٍ منها عضوًا من أعضائه من النّار حتّٰی فَرجهُ بفَرجه(1) جس نے کوئی غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کا عضو جہنم سے آزاد کردے گا یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ اور دوسرے صحابہ سے یہ روایت مروی ہے کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا یہ وہ غلام جہنم سے اس کی رستگاری کا باعث ہو جائے گا۔ غلام کا ہر جز مالک کے ہر جز کے بدلے میں ہو جائے گا اور جس مسلمان عورت نے مسلمان لونڈی کو آزاد کیا تو وہ لونڈی جہنم سے اس کی آزادی کا باعث ہوگی، ہر عضو دوسرے کے عضو کا بدلہ ہو جائے گا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقبہ سے مراد پیشی کی ہولناکی سے اسے چھٹکارا دینا ہے۔ قتادہ اور کعب نے کہا: یہ پل سے پہلے آگ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ شدید گھاٹی ہے انسان کا اپنے نفس، اپنی خواہش اور اپنے دشمن شیطان کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ کسی نے یہ شعر کہے:

إنّي بُلِيتُ بأربعٍ يَرمينَني بالنَّبل قد نَصبوا علیّ شِراکا

مجھے چار چیزوں کے ساتھ آزمایا گیا ہے جو مجھ پر تیر مار رہی ہیں اور انہوں نے مجھ پر اپنے تسمے باندھ رکھے ہیں۔

إبليسُ و الدّنيا ونفسي والهوىٰ من أين أرجو بينهن فَكاکا

ابلیس، دنیا، میرا نفس اور خواہش میں ان کے درمیان سے کیسے چھٹکارے کی امید رکھوں۔

يا ربِّ ساعِدني بعفوٍ إنّني أصبحت لا أرجو لهن سِوا کا

اے میرے رب! میری مدد فرما مجھے معاف کر کے میں، تیرے سوا ان کے بارے میں کوئی امید نہیں رکھتا۔

وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿١٢﴾

''اور آپ کیا سمجھیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے''۔

اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وما ادراك ما اقتحام العقبة یہ دین کے امر کو لازم پکڑنے کی عظمت بیان کرنا ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ سے آگاہ ہو جائیں۔ قشیری نے کہا: عقبہ کو عقبہ جہنم پر محمول کرنا بہت ہی بعید ہے کیونکہ دنیا میں کوئی آدمی بھی عقبہ جہنم میں داخل نہیں ہوا مگر اس صورت میں کہ اسے اس امر پر محمول کیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کیوں تیار نہیں کیا کہ اس کے لیے قیامت کے روز عقبہ جہنم میں داخل ہونا ممکن ہوتا۔ امام

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 9441

2۔ جامع ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ماجاء فی فضل من اعتق، حدیث نمبر 1467، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بخاری نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ وہ دنیا میں عقبہ میں داخل نہیں ہوا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول اس لیے اختیار کیا کیونکہ دوسری آیت میں یہ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ تیسری آیت میں فرمایا: فَكُّ رَقَبَةٍ چوتھی آیت میں فرمایا: اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ پھر پانچویں آیت میں فرمایا: يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ چھٹی آیت میں فرمایا: اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ یہ اعمال تو دنیا میں ہوں گے معنی یہ ہوگا دنیا میں وہ ایسے امور نہیں لایا جو آخرت میں عقبہ میں داخل ہونے کو اس کے لیے آسان بنا دیتا۔

فَكُّ رَقَبَةٍ

''وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

فَكُّ رَقَبَةٍ کی تشریح

مسئلہ نمبر 1۔ فَكُّ رَقَبَةٍ کا معنی ہے اسے قید سے آزاد کرنا۔ ایک قول ہے: اسے غلامی سے آزاد کرنا۔ حدیث میں ہے: ''فک رقبۃ کا معنی ہے تو اس کی قیمت میں اس کی مدد کرے'' پھر حضرت براء کی حدیث ہے سورۂ براء میں پہلے گزر چکا ہے فَكُّ سے مراد قید کو کھول دینا ہے اور غلامی بھی ایک قید ہے غلام کو رقبہ کہتے ہیں کیونکہ وہ غلامی کے ساتھ اس قیدی کی طرح ہے جس کی گردن میں رسی بندھی ہوئی ہو۔ اس کی آزادی کو فَكُّ کا نام دیا جس طرح تو قیدی کو قید سے آزاد کرے تو اسے فک سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت حسان نے کہا:

كَمْ مِنْ أَسِيرٍ فَكَكْنَاهُ بِلَا ثَمَنٍ

کتنے ہی قیدی ہیں جن کو ہم نے قیمت کے بغیر آزاد کیا۔

عقبہ بن عامر جہنی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا تو یہ اس کے جہنم سے آزاد ہونے کا فدیہ ہو جائے گا'' (1)۔ ماوردی نے کہا: دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا ہو کہ یہ اس نے گناہوں سے اجتناب کر کے اور اچھے اعمال کر کے اپنی گردن کو آزاد کر دیا اور نفس کو خلاصی عطا کر دی۔ حدیث اس تاویل کے مانع نہیں یہ زیادہ صحیح ہے۔

کافر کے بجائے مسلمان غلام کو آزاد کرنا

مسئلہ نمبر 2۔ اصبغ نے کہا: کافر غلام جو زیادہ قیمت والا ہو وہ آزادی میں اس غلام سے افضل ہے جو مومن ہو اور کم قیمت والا ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جب کہ آپ سے پوچھا گیا تھا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: ''جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک اچھا ہو''۔ ابن عربی نے کہا: اس حدیث میں مراد مسلمان غلام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے مسلمان کو آزاد کیا، جس نے مومن غلام کو آزاد کیا''۔

اصبغ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ غلط ہے اس نے صرف مال کی کمی کی طرف دیکھا ہے جب کہ غلام کو عبادت کے لیے آزاد

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 17326، 17357۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 279

کرنا اور توحید کے لیے فارغ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

غلام آزاد کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے

مسئلہ نمبر 3۔ آزاد کرنا اور صدقہ کرنا بہترین عمل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے: آزادی صدقہ سے افضل ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک صدقہ افضل ہے۔ آیت کریمہ امام ابوحنیفہ کے قول پر زیادہ دلالت کرتی ہے کیونکہ آزادی کو صدقہ پر مقدم کیا ہے۔ امام شعبی سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کہاں مال خرچ کرے وہ قریبی رشتہ داروں کو دے یا غلام آزاد کرے؟ فرمایا: غلام آزاد کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا عضو جہنم سے آزاد کر دے گا'' (1)۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

''یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں یتیم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو''۔

مَسْغَبَةٍ کا معنی ہے بھوک۔ سغب کا معنی بھوک ہے اور ساغب بھوکے کو کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں قراءت کی اَو یوم ذا مسغبة ابوعبید نے یہ شعر پڑھا:

فَلَوْ كُنْتَ جارا یا بن قَیْسِ بن عاصمٍ　　لَمَا بِتَّ شَبْعَانًا و جارُكَ ساغِبًا

اے ابن قیس بن عاصم! اگر تو جوار کا حق ادا کرتا تو تو سیر ہو کر اور تیرا پڑوسی بھوکا رات نہ گزارتا۔

کھانا کھلانا فضیلت ہے جب بھوک ہو تو یہ بہت ہی افضل ہے۔ امام نخعی نے اس ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ایسے دن میں کھانا کھلانا جس میں کھانا نادر و نایاب ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: مِنْ مُوجِباتِ الرَّحمة اِطعامُ المسلِم السغبان (2) رحمت کے موجبات میں سے یہ بھی ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ مقربۃ کا معنی قرابت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان ذو قرابة و ذو مقربتی اللہ تعالیٰ تجھے تعلیم ارشاد فرماتا ہے کہ قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرنا غیر قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرنے سے افضل ہے، جس طرح ایسے یتیم پر صدقہ کرنا جس کا کوئی کفیل نہ ہو اس یتیم پر صدقہ کرنے سے افضل ہے جس کا کوئی نہ کوئی کفیل ہو۔ اہل لغت کہتے ہیں: اس کے ضعف کی وجہ سے یتیم کہا گیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: یَتِمَ الرجلُ یُتْمًا جب وہ کمزور ہو۔ علماء نے یہ ذکر کیا ہے: لوگوں میں یتیم تو باپ کی جانب سے ہوتا ہے اور چوپاؤں میں ماں کی جانب سے ہوتا ہے سورۂ بقرہ میں مکمل بحث گزر چکی ہے۔ بعض علماء لغت نے کہا: یتیم اسے کہتے ہیں جس کے والدین فوت ہو جائیں؛ قیس بن ملوح نے کہا:

اِلَی اللہ اَشکو فقدَ لَیلَی کما شَكا　　اِلی اللہ فقدَ الوالِدَیْن یَتِیمُ

لیلیٰ کے گم ہونے پر اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں جس طرح یتیم والدین کے فوت ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہے۔

1۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 256　　2۔ بیہقی، الشعب، حدیث نمبر 3363

ذَا مَتْرَبَةٍ سے مراد ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ گویا وہ فقر کی وجہ سے مٹی سے مل گیا ہے جس کی جائے پناہ مٹی کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو راستہ میں پڑا ہو جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے نہ لباس اور نہ ہی کوئی اور چیز مٹی سے بچاتی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد عیالدار ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد مقروض ہے۔ ابو سنان نے کہا: اپاہج مراد ہے۔ ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے جس کا کوئی بھی نہ ہو۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد ایسا فساد ہے جو وطن سے بہت ہی دور ہو۔ ابو حامد خارزنجی نے کہا: یہاں مَتْرَبَةٍ سے مراد ہے براحال۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ترب، جب وہ محتاج ہو؛ ہذلی نے کہا:

وَكُنَّا إِذَا مَا الضَّيْفُ حَلَّ بِأَرْضِنَا   سَفَكْنَا دِمَاءَ الْبُدْنِ فِي تُرْبَةِ الْحَالِ

جب کوئی مہمان ہمارے علاقے میں اترتا ہے تو ہم تنگدستی کے عالم میں بھی اونٹوں کو ذبح کر دیتے ہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے اسے فَكَّ پڑھا ہے کہ یہ فعل ماضی کا صیغہ ہے رقبة کو نصب دی کیونکہ یہ مفعول بہ ہے اور اطعم اسے بھی فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ کلام فَكُّ اور اِطْعٰمٌ کے زیادہ مناسب ہے باقی قراء نے اسے فَكُّ پڑھا ہے کیونکہ یہ فککت کا مصدر ہے۔ رقبة یہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور اطعام باب افعال کا مصدر اور مرفوع پڑھا گیا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ کی تفسیر ہے پھر اس کی وضاحت کی اور فرمایا: فك رقبة او اطعام، اقتحام العقبة کا معنی بھی ہے غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے تو اس نے معنی پر محمول کیا ہے۔

ولا فك رقبة ولا اطعم فی یوم ذا مسغبة تو اس کے لیے عقبہ سے گزرنا کیسے ممکن ہوگا۔ ابو الحسن اور رجاء نے کہا: ذا مسغبة منصوب ہے کیونکہ یہ اطعام کا مفعول ہے یعنی وہ بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں اور یتیما اس سے بدل ہے جب کہ باقی قراء نے ذِيْ مَسْغَبَةٍ پڑھا ہے جو يَوْمٍ کی صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب کی قراءت جار مجرور کے محل کی صفت کے طور پر ہو، کیونکہ فِيْ يَوْمٍ کا قول ظرف ہے جس کا محل نصب ہے تو یہ معنی کے اعتبار سے اس کی صفت ہے لفظ کے اعتبار سے صفت نہیں۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۱۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ﴿۱۹﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۲۰﴾

”پھر وہ جو ایمان والوں سے ہو اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی“۔

یعنی جس نے غلام کو آزاد کیا یا بھوک والے دن کھانا کھلایا تو وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہوں نے تصدیق کی، کیونکہ طاعات کے قبول ہونے کی شرط اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے انفاق کے بعد ایمان کچھ

نفع نہ دے گا بلکہ ضروری ہے کہ طاعت ایمان کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا: وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ (التوبہ:54) اور نہیں منع کیا ہے انہیں کہ قبول کیے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا، کھانا کھلایا کرتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا، غلاموں کو آزاد کیا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اونٹ پر کسی کو سوار کرتا تھا کیا یہ امور اسے نفع دیں گے؟ فرمایا: نہیں اس نے کسی دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! اور جزا میری خطا کو معاف کر دے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا مطلب و معنی یہ ہے کہ اس نے یہ اعمال کیے ہوں جب کہ وہ مومن ہو پھر وہ وفات تک ایمان پر قائم رہا ہو، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (طٰہٰ) اور میں بخشنے والا ہوں اسے جو تائب ہوا، ایمان لایا اور نیک عمل کیے پھر ہدایت یافتہ ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے پھر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کے لیے نافع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے یہ عبادات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کیں پھر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ حضرت حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد عرض کی: یا رسول اللہ! ہم دور جاہلیت میں کچھ اعمال کرتے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے کیا وہ ہمارے لیے نفع مند ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سابقہ دور میں تو نے جو بھلائی کی اس وجہ سے تو مسلمان ہوا'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ، واؤ کے معنی میں ہے معنی یہ ہوگا غلام کو آزاد کرنے والا، بھوک میں کھانا کھلانے والا ایمان لانے والوں میں سے ہے۔

انہوں نے ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طاعت، معاصی سے صبر اور انہیں جو مصیبت اور آزمائش پہنچی اس پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور مخلوقات پر رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے یتیم اور مسکین پر رحم کیا۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں یعنی جن کو ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ محمد بن کعب قرظی اور دوسرے علماء نے کہا: یحییٰ بن سلام نے کہا کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کے لیے یمن و برکت ہیں۔ ابن زید نے کہا: کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے لیے گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ ان کا مقام دائیں جانب ہوگا؛ یہ میمون بن مہران نے کہا۔

جنہوں نے قرآن کا انکار کیا وہ اصحاب مشامہ ہیں وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑنے والے ہوں گے؛ یہ محمد بن کعب اور یحییٰ بن سلام نے کہا، کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کے لیے بدبخت ہیں۔ ابن زید نے کہا: کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے لیے گئے ہیں۔ میمون نے کہا: ان کا مقام بائیں جانب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ان تمام اقوال کا جامع یہ قول ہے کہ اصحاب میمنہ اصحاب جنت ہیں اور اصحاب مشامہ اصحاب نار ہیں اللہ

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 24621　2۔ ایضاً، حدیث نمبر 15318

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ۬ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْیَمِیْنِ ؕ فِیْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ (الواقعہ)
وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۬ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ فِیْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِیْمٍ ۙ (واقعہ) اور اس کی مثل جو آیات ہیں۔ مُّؤْصَدَةٌ کا معنی ہے بند؛ شاعر نے کہا:

تَحِنُّ إلى أجبال مَكَّةَ ناقتي ومِنْ دُونِهَا أبوابُ صنعاءَ مُوْصَدَة

میری اونٹنی مکہ کے پہاڑوں کی مشتاق ہے اور اس کے پیچھے صنعاء کے دروازے اس کے لیے بند ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُّؤْصَدَةٌ کا معنی مبہم ہے یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا داخل ہے اہل لغت کہتے ہیں: أوصدتُ الباب وآصدته یعنی میں نے دروازے کو بند کر دیا۔ جس نے أوصَدتُ کہا تو اس کے نزدیک اس کا اسم وصاد آتا ہے جس نے آصدته کہا تو پھر اسم اصاد آتا ہے۔ ابو عمرو، حفص، حمزہ، یعقوب اور شیزری نے کسائی سے مُّؤْصَدَةٌ یہاں بھی اور سورۃ الہمزہ میں بھی ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابوبکر بن عیاش سے مروی ہے کہ ہمارے امام تھے وہ مُّؤْصَدَةٌ میں ہمزہ پڑھا کرتے تھے تو میں خواہش کرتا کہ جب میں سنوں تو اپنے کانوں کو بند کر لوں۔